# اللہ تعالیٰ سے سچا اور حقیقی تعلق قائم کرنے میں ہی ہماری کامیابی ہے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

# اللہ تعالیٰ سے سچا اور حقیقی تعلق قائم کرنے میں ہی ہماری کامیابی ہے

(فرمودہ ۱۷؍فروری ۱۹۴۹ء بمقام راولپنڈی)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میری اِس وقت آپ لوگوں کو جمع کرنے سے کوئی لمبی تقریر کرنا نہیں بلکہ آپ لوگوں کو اِس وقت یہاں جمع کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں بدلے ہوئے حالات کے مطابق آپ کو اپنے فرائض کی طرف توجہ دلاؤں اور چونکہ جماعت کے فرائض عورتوں اور مردوں دونوں پر ایک ہی طرح عائد ہوتے ہیں اِس لئے میں نے خواہش کی کہ اِس موقع پر عورتوں کو بھی ساتھ لایا جائے تا وہ بھی اپنی ذمہ داریوں کے متعلق میرے خیالات سن سکیں اور اگر خدا تعالیٰ انہیں توفیق عطا فرمائے تو وہ موجودہ حالات کے مطابق اپنے اعمال کو ڈھال سکیں۔

یہ امرِ واقعہ ہے اور ہر ایک شخص جانتا ہے کہ تقسیم ملک کے نتیجہ میں لاکھوں لاکھ آدمی مشرقی پنجاب سے اُجڑ کر مغربی پنجاب میں آ بسا ہے۔ اِن کے علاوہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مشرقی پنجاب سے تو نہیں آئے لیکن کشمیر اور جموں سے ہجرت کر کے یہاں آ بسے ہیں اور ان کی تعداد بھی لاکھوں تک جا پہنچی ہے۔ اِس لئے وہ رنگ جو پہلے سوسائٹی کا تھا وہ بدل گیا ہے اور لوگ اِس طرح آپس میں مل جل گئے ہیں کہ اب ان کی ذمہ داریاں اُس قسم کی نہیں رہیں جس قسم کی پہلے تھیں اور ہماری جماعت بھی اس عظیم الشان تغیر سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پہلے بھی جماعتوں میں زیادتی ہوتی رہتی تھی۔ کبھی ایک احمدی ہو گیا اور کبھی

چھ سات نئے احمدی ہو گئے لیکن چونکہ یہ تعداد کم ہوتی تھی اس لئے وہ پہلے لوگوں میں اس طرح مخلوط ہو جاتے تھے کہ کوئی تغیر محسوس نہیں ہوتا تھا لیکن اب تو ایسا ہوا کہ جس جماعت کی تعداد پہلے دس پندرہ تھی وہ یکدم پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ بلکہ بعض جگہوں پر اس سے بھی زیادہ ہوگئی۔

راولپنڈی کی جماعت کو ہی لے لو۔ یہ پہلے بہت چھوٹی سی جماعت تھی۔ غالباً پچیس تیس افراد پر مشتمل تھی لیکن اب اِس کی تعداد جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے تین چار سَو کے درمیان ہے اور اگر مستورات اور بچوں کو بھی ملا لیا جائے تو اِس کی تعداد پندرہ سَو یا دو ہزار کے قریب بن جاتی ہے۔ اِس عظیم الشان تغیر کے نتیجہ میں جس بیداری کی ضرورت ہے مجھے افسوس ہے کہ جماعت نے وہ بیداری ابھی تک اپنے اندر پیدا نہیں کی۔ کسی عورت کے ہاں اگر بیک وقت دو تین بچے پیدا ہو جائیں اور وہ سب زندہ ہوں تو تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ کس طرح والدین ان کے فکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ کس طرح ان کی غور و پرداخت میں مشغول رہتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی جماعت کی تعداد تیس سے بڑھ کر یکدم تین چار سَو ہو جائے تو اسی نسبت سے اس کے اندر بیداری کا پیدا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ اسے اپنی تنظیم کو زیادہ بہتر بنانا چاہئے، اپنے چندوں کو بڑھانا چاہئے، اپنی قربانیوں کے معیار کو بلند کرنا چاہئے اور پھر سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کرنا چاہئے تا کہ اُس کی زیادہ سے زیادہ تائید حاصل ہو سکے۔

یہ امر یاد رکھو کہ کامیابی کے لئے جن مادی سامانوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہمارے پاس نہیں۔ صرف ایک ہی چیز ہے جو ہمیں محفوظ رکھ سکتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا اور اُسی سے مدد مانگنا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں واضح الفاظ میں فرماتا ہے کہ **كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ**[1] یعنی کتنی ہی جماعتیں دنیا میں ایسی گذری ہیں جو اگرچہ تعداد میں بہت تھوڑی تھیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آ گئیں۔ مگر یہ مثالیں درحقیقت ایسے ہی لوگوں کی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کیا اور اُس کی تائید اور نصرت سے اُنہوں نے کامیابی حاصل کی۔ ان میں سے بعض مثالیں تاریخی زمانہ سے بھی پہلے کی ہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ نوح علیہ السلام کی

قوم نے باوجود قلیل التعداد ہونے کے فتح پائی۔ اور بعض مثالیں تاریخی دَور کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جیسے داؤد علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور اِسی طرح اور کئی انبیاء کے واقعات پائے جاتے ہیں جنہوں نے اپنے مخالفین پر فتح پائی حالانکہ اُن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے باوجود قلیل التعداد ہونے کے غلبہ حاصل کیا۔ جہاں تک ظاہری سامان کا تعلق تھا وہ ان کے پاس نہیں تھا لیکن ایک باطنی چیز ایسی تھی جو ساری کی ساری ان کے پاس تھی اور وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق تھا۔ گویا دنیا جس میں روح اور مادہ بھی شامل تھا دو حصوں میں منقسم ہوگئی تھی۔ اِن دو حصوں میں سے مادی حصہ تمام کا تمام مخالف کے پاس تھا اور روحانیت سب کی سب اِن کے پاس تھی۔ خدا تعالیٰ اِن کی طرف تھا اور روپیہ اور طاقت مخالف کی طرف تھی۔ فرشتے اِن کی طرف تھے اور سامان مخالفوں کی طرف تھا مگر اِس لڑائی میں باوجود اِس کے کہ ایک طرف ظاہری سامان تھے اور دوسری طرف نہیں تھے وہ گروہ جیتا جو قلیل التعداد تھا اور ظاہری ساز وسامان سے محروم تھا اور وہ گروہ جو کثیر التعداد تھا اور تمام ظاہری سامان اس کے پاس پائے جاتے تھے وہ ہارا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو آپ نے مکہ والوں کو عام معافی دے دی سوائے چند افراد کے جنہوں نے متواتر اور غیر آئینی طور پر اور قوانین حرب کے خلاف بہت سے مسلمانوں کو مروایا تھا۔ صرف ان لوگوں کے متعلق آپ نے فرمایا کہ یہ وار کریمینل (WAR CRIMINAL) ہیں۔ وار کریمینل کی اصطلاح بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی ہے گو پرانی اصطلاح اور موجودہ اصطلاح میں بہت بھاری فرق ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصطلاح قائم کی وہ محدود اور مفید صورت میں ہے لیکن موجودہ اصطلاح مفید نہیں۔ آجکل کی اصطلاح میں ہر وہ شخص جو اپنی قوم کی طرف سے لڑا اور فوج کا ہیڈ رہا وہ وار کریمینل ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے ساتھ ایسی شرائط لگا دی ہیں جن کی وجہ سے اِس کا دائرہ نہایت محدود ہو گیا ہے۔ جنگ کی صورت میں جس شخص نے اپنی فوج کی خدمت کی ہو، جس نے دشمن کے خلاف اپنی قوم کی مدد کی ہو وہ سزا کا مستحق نہیں لیکن ایسا شخص جس نے قوانین حرب کے خلاف، انسانیت کے خلاف غیر آئینی طور پر ایسے کام کئے ہوں جو

ذاتی حیثیت رکھتے ہوں، صرف اُسے سزا دی جائے لیکن اب وہ شخص بھی جس نے ایک افسر کی حیثیت سے اپنی فوج میں کام کیا ہو یا کسی اَور طرح اپنی قوم کی اُس کے دشمن کے خلاف مدد کی ہو وار کریمینل کی اصطلاح کے نیچے آ جاتا ہے اور یہ بات ایسی ہے کہ اِس سے کوئی سپاہی بھی نہیں بچ سکتا۔ جو قوم بھی غالب آئے گی وہ دوسری قوم کے تمام سپاہیوں کو مار ڈالے گی اس لئے کہ وہ وار کریمینل ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پانچ چھ آدمیوں کو (جن میں ایک عورت بھی شامل تھی) اور جنہوں نے اپنی فوج ذمہ داریوں سے باہر جا کر مسلمانوں پر مظالم ڈھائے تھے، موت کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ لوگ قابل معافی نہیں، اِنہیں سزا دی جائے گی۔ اِن لوگوں میں سے ایک ابوجہل کے بیٹے عکرمہ بھی تھے، ایک ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی اور ایک شاعر تھے جنہوں نے قصیدہ بُردہ لکھا ہے۔ مگر اِن لوگوں میں سے بھی اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو مسلمان ہو گئے اور اُنہیں معاف کر دیا گیا۔ عکرمہ بھی مسلمان ہو گئے اور انہیں معافی مل گئی۔ وہ شاعر بھی مسلمان ہو گئے اور اُنہیں معاف کر دیا گیا۔ ہندہ بھی مسلمان ہوگئی اور اِس سزا سے بچ گئی۔

ہندہ کی معافی کا واقعہ اِس طرح آتا ہے کہ جب ان کے متعلق سزا کا فیصلہ ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے متعلق حکم صادر فرمایا کہ چونکہ ہندہ نے غیر آئینی طور پر اور آئین حرب کے خلاف مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے ہیں بلکہ بعض مردوں کی نعشوں کی بے حرمتی کی ہے، ان کے کان کاٹ دیئے ہیں، ان کے ناک کاٹ دیئے ہیں، جگر اور کلیجے نکلوا کر چبائے ہیں اور مختلف قسم کے دیگر انسانیت سوز مظالم کئے ہیں اس لئے اِسے بھی جہاں ملے قتل کیا جائے۔ تو ایک دن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بعض عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں تو ہندہ بھی چادر اوڑھ کر اُن میں شامل ہوگئی۔ پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں سے بیعت لے رہے تھے تو بیعت کے الفاظ میں یہ الفاظ بھی آتے تھے کہ ہم شرک نہیں کریں گی، تو ہندہ کی طبیعت بڑی تیز تھی وہ جوش میں آ کر کہنے لگی یَارَسُوْلَ اللّٰہ! کیا اب بھی ہم شرک کریں گی؟ ہمارے پاس دنیا کے سب ظاہری سامان تھے، ہمارے پاس طاقت تھی، روپیہ تھا، سامانِ حرب تھا، ہماری تعداد زیادہ تھی، تجربہ کار

جرنیل ہمارے پاس تھے، قوم ہمارے ساتھ تھی، ملک ہمارے ساتھ تھا یہ ساری چیزیں جو بظاہر جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے نہایت ضروری ہیں ہمارے پاس موجود تھیں، پھر آپ اکیلے تھے، آپ کے پاس طاقت نہیں تھی، ظاہری سامان نہیں تھے مگر آپ جیت گئے ہم ہار گئے۔ اگر ہمارے بتوں میں طاقت ہوتی تو کیا ہم ہار سکتے تھے؟ ہمارے پاس سب کچھ تھا لیکن باوجود اِس کے ہم ہار گئے اور آپ میں طاقت نہیں تھی، آپ کے پاس سامان نہیں تھا، سامانِ حرب نہیں تھا، تجربہ کار جرنیل نہیں تھے، قوم ساتھ نہیں تھی، آپ کے ساتھی تعداد میں ہم سے بہت کم تھے لیکن آپ جیت گئے۔ کیا اس تجربہ کے بعد بھی ہم شرک کرسکتی ہیں؟ ہندہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ دار تھیں آپ نے اُن کی آواز کو پہچان لیا اور فرمایا ہندہ ہے؟ ہندہ بڑی دلیر عورت تھی۔ اس نے فوراً کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں مسلمان ہوگئی ہوں۔ اب آپ کا پہلا حکم مجھ پر نافذ نہیں ہوسکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا ہاں! تم مسلمان ہوگئی ہو، اب تمہیں سزا دینے کا مجھے کوئی حق نہیں رہا۔ تمہیں معاف کیا جاتا ہے۔[۲] یہ چیز ہے جو حضور نے بطور سبق ہمارے سامنے رکھی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کے پاس روپیہ تھا، ان کی جتھہ بندی تھی، حکومت تھی، سامانِ حرب تھا، تجربہ کار جرنیل تھے، قوم ساتھ تھی، ملک ساتھ تھا اور آپ کے پاس کوئی حکومت نہیں تھی۔ ظاہری سامان آپ کو میسر نہیں تھے لیکن آپ لڑے اور جیتے۔ عرب لڑے اور ہارے۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ کتنی قومیں دنیا میں ایسی گزری ہیں جو تعداد میں بہت تھوڑی تھیں لیکن وہ اپنے دشمن کے مقابلہ میں جیت گئیں۔ مگر یہ کب ہوا؟ جب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا۔ گویا تھوڑی تعداد والی اور کمزور قوموں کو لڑائی میں جیتنے کے لئے یا تو سامان کی فراوانی کی ضرورت ہوتی ہے اور یا خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو، تب اُنہیں فتح حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ تو صاف نظر آ رہا ہے کہ ہمارے پاس طاقت نہیں۔ پس جب تک ہم ایسا راستہ تلاش نہ کریں جس میں سامان کی ضرورت نہیں رہتی کامیابی کی امید رکھنا غلط ہے۔ کامیابی حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ اگر تمہارے پاس ظاہری سامان نہیں تو تم خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرو اور ایسا تعلق قائم کرو کہ اسے ہمارے لئے غیرت ہو۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کا تعلق قائم کر لیتے ہیں تو کمزور ہونا اور

بے سروسامانی ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ تعداد میں کم ہونا ہمیں فکر میں نہیں ڈال سکتا۔ اس تعلق کے پیدا ہو جانے کے بعد ہم یقین رکھ سکتے ہیں کہ کوئی بھی ہمارے مقابلہ میں آئے ہم اس کے مقابلہ میں جیتیں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو اُسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف جب ہجرت کر کے گئے اور غارِ ثور میں چھپے تو دشمن آپ کی تلاش کرتا کرتا اس غار کے منہ پر پہنچ گیا۔ کھوجیوں نے اُس وقت یہ صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا تو اِس غار میں چھپے ہوئے ہیں اور یا آسمان پر چڑھ گئے ہیں۔ اُس وقت حضرت ابوبکرؓ گھبرا گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا۔ اے ابوبکر! گھبراتے کیوں ہو؟ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔[۳] قرآن کریم آپ کے یہ الفاظ بیان فرماتا ہے کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا[۴] اللہ تعالیٰ جب ہمارے ساتھ ہے تو پھر اے ابوبکر! تم غمگین کیوں ہوتے ہو۔ اگر ہماری قوم ہماری دشمن ہے تو ڈر کی کون سی بات ہے اللہ تعالیٰ تو ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مجھے اپنے متعلق کچھ فکر نہیں مجھے تو اِس بات کا فکر ہے کہ دشمن کہیں آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔ آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ابوبکر غم مت کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور وہی ہمیں دشمن سے بچائے گا۔ ہمارے پاس بے شک ظاہری سامان نہیں، ہمارے پاس بے شک ظاہری فوج نہیں لیکن خدا تعالیٰ تو ہمارے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا تعالیٰ ہو اُس کے لئے خوف اور ڈر کی کیا وجہ ہے۔

پس طاقتور دشمن کے مقابلہ میں فتح حاصل کرنے کا ایک نسخہ تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق قائم کیا جائے کہ اسے ہمارے متعلق غیرت ہو۔ دوسرا نسخہ یہ ہے کہ دنیاوی سامان میسر ہوں۔ روپیہ ہو، طاقت ہو، حکومت ہو، مثلاً امریکہ کو جس طرح آجکل یہ برتری حاصل ہے یا انگلستان کو کسی زمانہ میں حاصل ہوا کرتی تھی اور وہ باوجود ایک چھوٹا سا ملک ہونے کے دنیا کے تمام ممالک پر حکومت کرتا تھا اِسی طرح ہمیں طاقت حاصل ہو مگر یہ چیز ہمیں حاصل نہیں اور ہم حاصل کر بھی نہیں سکتے۔ جن چیزوں سے دولت حاصل ہوتی ہے وہ ہمیں میسر نہیں اور اگر وہ

چیزیں میسر ہو بھی جائیں تو دولتوں کے حاصل کرنے کے لئے صدیوں کی ضرورت ہے۔ امریکہ نے جو دولت حاصل کی ہے اِس پر بھی ایک لمبا عرصہ صَرف ہوا ہے۔ اس کے پاس کانیں تھیں، مٹی کا تیل تھا، لوہے کی مائنز تھیں اور مختلف قسم کے سامان اُسے میسر تھے مگر اس نے یہ دولت ڈیڑھ سَو سال کے عرصہ میں حاصل کی۔ امریکہ کو ۱۷۸۰ء میں آزادی حاصل ہوئی تھی۔ ایک سَو ساٹھ سال کی آزادی میں امریکہ اِس حالت تک پہنچا ہے لیکن پاکستان تو اتنا مضبوط ملک نہیں کہ اس سے دوسری بڑی طاقتیں مرعوب ہو جائیں اور نہ ابھی اس کے قیام پر کوئی لمبا عرصہ گزرا ہے۔ اب صرف ایک ہی صورت باقی ہے جس کی وجہ سے ہم اپنی حالت کو برقرار رکھ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کو اپنے ساتھ ملا لیں اور اِس میں کسی لمبی دیر کی ضرورت نہیں۔ بعض دفعہ تو اِس پر ایک سیکنڈ بھی نہیں لگتا بشرطیکہ اُسے ساتھ ملانے کا صحیح طریق اختیار کیا جائے۔

صوفیاء نے لکھا ہے کہ کوئی شخص تھا اُس نے جب دیکھا کہ روحانی آدمیوں کا لوگ بہت زیادہ ادب واحترام کرتے ہیں تو اُس نے بھی دنیاداری کو چھوڑ دیا اور زاہد بن گیا۔ وہ سارا دن مسجد میں بیٹھا رہتا، نمازیں پڑھتا اور وظیفے کرتا رہتا لیکن جب بھی وہ مسجد سے باہر نکلتا لوگ کہتے دیکھو! وہ منافق جا رہا ہے۔ یہ آدمی وجاہت پسند اور دنیادار ہے لیکن دوسرے لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اس نے اپنی یہ حالت بنا رکھی ہے۔ دس سال کا لمبا عرصہ گزر گیا لیکن اُس کی یہ امید کہ وہ دنیا کی نظر میں بزرگ تسلیم کیا جائے پوری نہ ہوئی۔ ایک دن وہ جنگل میں گیا۔ اُس نے اپنے دل میں کہا احمق! تو نے اپنی عمر کے دس سال ضائع کر دیئے اور لوگوں کی نظر میں بار بار لعنتی بنا۔ آ اور باقی عمر کو اب خدا تعالیٰ کی خاطر اُس کے کاموں میں لگا دے لوگ تجھے بزرگ سمجھیں یا نہ سمجھیں تو سچے طور پر خدا تعالیٰ کی عبادت کر اور اُسی کا بن جا۔ لوگ تجھے خواہ ریاکار کہیں تو اُن کی طرف توجہ نہ کر اور اپنا کام کرتا چلا جا اور اپنے خدا کو راضی کر لے۔ چنانچہ اس شخص نے اُسی وقت ریاکاری اور دکھاوے کو چھوڑ دیا۔ وضو کیا اور خدا تعالیٰ کے سامنے سجدے میں گر گیا اور اُسے رو رو کر دعائیں کیں کہ اے خدا! تو میرے پچھلے گناہ معاف کر دے۔ خواہ لوگ مجھ پر لعنتیں ڈالیں یا اَور کچھ کہیں میں صرف تیری رضا چاہتا ہوں۔ توبہ کی اور پھر شہر کی طرف آیا اور مسجد میں گیا اور نماز پڑھی اور خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑایا۔ نماز سے فارغ ہو کر

مسجد سے باہر نکلا تو اُسے دیکھتے ہی لوگ کہنے لگے کہ دیکھو! کس طرح نور اس کے چہرے پر برس رہا ہے۔ یہ بہت بڑا ولی اللہ ہے اس کی دعاؤں سے ہر قسم کے عقدے حل ہو جاتے ہیں۔ اس شخص نے اپنے دل میں کہا تو نے دس سال ضائع کر دیئے تو نے لوگوں کو دھوکا دیا اور جھوٹ بولا لیکن تو لوگوں کی نظروں سے نہ بچ سکا۔ آج نیک نیتی سے اور سچے دل سے تو نے ایک نماز ادا کی ہے تو فوراً اس کا اثر دیکھ لیا۔

پس حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے، جو شخص خدا تعالیٰ سے سچی صلح کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے وہ بعض دفعہ ایک سجدہ میں ہی اُسے پالیتا ہے۔ صدیوں میں جس کام کو حل نہیں کیا جا سکتا اُسے ایک سجدہ ہی حل کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ جس شخص کے ساتھ ہو اُس کے ساتھ سب طاقتیں ہوتی ہیں اور وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ پس جیسا کہ میں نے بتایا ہے جن دو چیزوں کے ساتھ باوجود قلیل التعداد ہونے کے مخالف پر فتح حاصل کی جاسکتی ہے اُن میں سے ایک تو ایسی ہے جس کا حاصل کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے اور اُسے حاصل کرنے کے لئے صدیاں درکار ہیں لیکن ایک چیز ایسی ہے جس کو ہم حاصل کرنا چاہیں تو ایک دن میں بلکہ ایک سکینڈ میں اُسے حاصل کر سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی محبت قائم کر لیں اور فیصلہ کر لیں کہ ہم دنیا میں خدا تعالیٰ کے لئے ہی زندہ رہیں گے اور اُسی کی خاطر مریں گے۔ جب ہماری یہ خواہش ہوگی کہ خدا تعالیٰ ہم سے خوش ہو جائے اور اپنی دُنیوی ترقیات کو اُس کے لئے نظر انداز کر دیں گے اور محض اُس کی رضا کا حصول ہی ہمارا مقصد ہوگا تو وہ ہمیں حاصل ہو جائے گا اور جب وہ ہمیں حاصل ہو جائے گا تو یہ ہو نہیں سکتا کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں تباہ و برباد کر سکے۔ خدا تعالیٰ کے فرشتے خود ہماری مدد کے لئے نازل ہوں گے اور جو چیزیں دُنیوی سامانوں کے باوجود حاصل نہیں ہو سکتیں وہ ہمیں حاصل ہو جائیں گی۔ پس دو چیزوں میں سے تمہیں ایک چیز ضرور کرنی ہوگی یا تو تم فیصلہ کر لو کہ تم دنیا میں ذلّت اور رُسوائی چاہتے ہو اور یہ کہ تمہارے اوپر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی اور یا یہ فیصلہ کر لو کہ تم نے دنیا میں دین کو پھیلانا اور اُسے غالب کرنا ہے اور اِس کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریق ہے کہ تم خدا تعالیٰ کو اپنا بنا لو۔ جب تم خدا تعالیٰ کو اپنا بنا لو گے تو دنیا کی سب چیزیں تمہیں مل سکیں گی۔ اس

لئے نہیں کہ وہ تمہاری مطلوب ہیں جو شخص دُنیوی سامانوں اور دنیوی عزت و جاہ کو اپنا مطلوب بناتا ہے اُسے خدا تعالیٰ نہیں ملتا۔ لیکن جو شخص خدا تعالیٰ کو اپنا مطلوب بنالیتا ہے اُسے سب چیزیں میسر آ جاتی ہیں۔ یہ دو عجیب چیزیں ہیں ان میں سے ایک چیز کی تلاش کرنے سے دوسری چیز خود بخود مل جاتی ہے لیکن دوسری کو تلاش کرنے سے پہلی چیز حاصل نہیں ہوتی۔ جو شخص دنیا کی تلاش کرتا ہے اُسے خدا تعالیٰ نہیں ملتا مگر جو خدا تعالیٰ کی تلاش کرتا ہے اور اُس کی رضا کے حصول کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے اُسے دنیا بھی مل جاتی ہے۔ عام طور پر لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس بادشاہتیں بھی تھیں اور اِس کے معنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُنہیں بھی دُنیوی سامانوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے حالانکہ وہ نہیں سمجھتے کہ یہ بادشاہتیں ایسی نہیں تھیں کہ ان کی وجہ سے خدا تعالیٰ مل گیا ہو بلکہ خدا تعالیٰ کے مل جانے کی وجہ سے یہ بادشاہتیں ملی تھیں اور اب بھی ہم خدا تعالیٰ کو پا کر بادشاہت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی چیز آسمانی جماعتوں کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ جو لوگ بھی خدا تعالیٰ کے مأمور پر ایمان لانے والے ہوں گے۔ جو لوگ بھی اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے ساتھ وابستہ رکھیں گے اُنہیں دنیا ملے گی لیکن دنیا اُنہیں اسی صورت میں ملے گی کہ وہ دُنیوی ترقیات کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کرلیں، وہ اُنہیں دور پھینک دیں۔ وہ کہہ دیں کہ ہم اِنہیں نہیں جانتے۔ ہم صرف خدا تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں۔ جب وہ دنیا کی طرف سے منہ پھیر لیں گے اور ان کا مقصود اور مطلوب صرف خدا تعالیٰ کی رضا ہوگی تب خدا تعالیٰ دنیا کو خود اُٹھا کر اُن کے قدموں میں پھینک دے گا۔

سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ جو ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں وہ ہمیشہ عمدہ کھانا کھاتے تھے اور عمدہ لباس پہنتے تھے۔ کسی دنیا دار نے آپ پر اعتراض کیا کہ سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ اچھے کپڑے پہنتے ہیں، اچھے کھانے کھاتے ہیں یہ بزرگ نہیں ہو سکتے۔ کسی نے یہ بات آپ کو بھی بتادی کہ فلاں شخص نے آپ پر اعتراض کیا ہے کہ آپ اچھا کھاتے ہیں، اچھا پہنتے ہیں معلوم ہوتا ہے آپ بزرگ اور ولی اللہ نہیں، بھلا بزرگوں کو اِن چیزوں سے کیا تعلق۔ سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ نے فرمایا اُس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ میں کیوں ایسا کرتا ہوں۔ آپ فرمانے لگے میں اُس وقت تک کوئی کھانا نہیں کھاتا جب تک خدا تعالیٰ خود نہیں کہتا کہ

اے عبد القادر جیلانی! تم یہ کھانا کھا لو۔ اور میں کوئی کپڑا نہیں پہنتا جب تک خدا تعالیٰ خود مجھ سے نہیں کہتا کہ اے عبد القادر جیلانی! تم یہ کپڑا پہن لو۔ غرض جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ دنیا خود اُس کے قدموں میں لا ڈالتا ہے تاکہ وہ ظاہر کرے کہ مؤمنوں کو یہ چیزیں دُنیوی ذرائع سے حاصل نہیں ہوتیں بلکہ جو میرا بن جاتا ہے میں خود اُسے یہ چیزیں دیتا ہوں۔ آپ دیکھیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی بادشاہت کو حاصل کرنے کے لئے ایک منٹ کے لئے بھی خواہش نہیں کی لیکن خدا تعالیٰ نے وہ بادشاہت آپ کے قدموں پر بلکہ آپ کے خادموں کے قدموں پر لا کر ڈال دی۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ قریشی تو تھے مگر آپ قریش کے ان لوگوں سے تعلق نہیں رکھتے تھے جو مکہ کے رئیس گنے جاتے تھے اور جن کی فرمانبرداری اور اطاعت کو عرب فخر محسوس کرتے تھے۔ آپ کے والد ابوقحافہ معمولی آدمی تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداء میں ایمان نہیں لائے تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو مکہ میں یہ اطلاع پہنچی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہیں۔ یہ خبر سن کر لوگ گھبرا گئے کہ اب کیا ہوگا۔ اُنہوں نے پیغامبر سے پوچھا پھر کیا ہوا؟ اُس نے جواب دیا کہ ایک خلیفہ چن لیا گیا ہے۔ ان لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ بھی تھے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کون خلیفہ چن لیا گیا ہے؟ اس نے کہا ابوبکرؓ۔ آپ کے والد نے پھر پوچھا کون ابوبکرؓ۔ آپ کے والد صاحب اپنی کمزوری کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ رؤساء کسی صورت میں بھی اُن کے بیٹے ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کر سکتے۔ وہ مر جائیں گے لیکن ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کریں گے اس لئے جب اُنہوں نے سنا کہ ابوبکرؓ خلیفہ چن لئے گئے ہیں تو کہنے لگے کون ابوبکرؓ؟ اس پیغامبر نے کہا ابوقحافہ کا بیٹا۔ انہیں پھر بھی یقین نہ آیا۔ انہوں نے پوچھا کون ابوقحافہ؟ اُس نے کہا تم اور کون؟ وہ کہنے لگے کیا میرا بیٹا ابوبکر چن لیا گیا ہے؟ کیا فلاں قبیلہ نے اُس کی بیعت کر لی ہے؟ پیغامبر نے کہا ہاں۔ پھر انہوں نے دریافت کیا کیا فلاں قبیلہ نے اُس کو خلیفہ مان لیا ہے؟ پیغامبر نے کہا ہاں۔ یہ سن کر اُن پر یہ بات حل ہوگئی کہ اتنا بڑا تغیر صرف ایک نبی ہی پیدا کر سکتا ہے اور وہ بے اختیار ہو کر کہنے

لگے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر بنو ہاشم کے خاندان اور قریش کے دوسرے خاندانوں نے میرے بیٹے کی بیعت کر لی ہے تو یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی تھے جنہوں نے ایسا عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا۔ تو دیکھو بادشاہت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ہی نہیں آپ کے خادموں کے قدموں پر بھی آ گری لیکن آپ نے نہ اُس وقت خواہش کی جب آپ کو ابھی بادشاہت نہیں ملی تھی اور نہ اُس وقت خواہش کی جب آپ کو بادشاہت مل گئی۔ نہ حضرت ابوبکرؓ نے بادشاہت کی خواہش کی، نہ حضرت عمرؓ نے بادشاہت کی خواہش کی، نہ حضرت عثمانؓ نے بادشاہت کی خواہش کی اور نہ حضرت علیؓ نے بادشاہت کی خواہش کی بلکہ ان میں بادشاہت کے آثار پائے ہی نہیں جاتے تھے حالانکہ وہ دنیا کے اتنے زبردست بادشاہ تھے جن کی تاریخ میں مثال ہی نہیں ملتی۔ ان کی طبائع اتنی سادہ تھیں، ان کی ملاقاتیں اِتنی سادہ تھیں، ان میں تواضع اِس قدر پایا جاتا تھا کہ ظاہری طور پر یہ بھی معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ بادشاہ ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ میری حکومت ہے، میں بادشاہ ہوں۔ ان میں سے کوئی شخص بھی کبھی اِس بات پر آمادہ نہیں ہوا کہ وہ اپنی بادشاہت کا اظہار کرے اور نہ ہی وہ اِس بات کی کبھی خواہش کرتے تھے۔ درحقیقت جو خدا تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں دنیا خود اُن کے قدموں پر آ گرتی ہے۔ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہتوں سے اُنہیں مدد ملے گی لیکن جو خدا تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں بادشاہتیں سمجھتی ہیں کہ انہیں ان کی غلامی سے عزت ملے گی۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہر جماعت یا ہر فرد کی ترقی دو چیزوں کے ساتھ وابستہ ہے اوّل یہ کہ اُس کے پاس مادی سامانوں کی فراوانی ہو۔ دوم اُسے خدا تعالیٰ مل جائے۔ جہاں تک مادی سامانوں کا تعلق ہے یہ صاف ظاہر ہے کہ مادیات کے ساتھ ترقی کرنا ہمارے دعویٰ کے خلاف ہے۔ خدا تعالیٰ کے مأموروں کی جماعتیں مادیات کے ساتھ ترقی نہیں کیا کرتیں۔ اگر وہ مادیات کے ساتھ ترقی کرتیں تو مخالف یہ کہنے کا حق رکھتا کہ ان کا ترقی کرنا ان کی سچائی کی علامت نہیں مادی سامانوں کے ذریعہ تو ہر ایک ترقی کر سکتا ہے۔ پھر ان میں اور دوسری جماعتوں میں کیا فرق رہا۔ غرض اوّل تو ہمارے پاس مادی سامان ہیں ہی نہیں اور اگر مادی

سامان میسر آ بھی جائیں تو پھر بھی یہ امید رکھنا کہ ہم ان کے ذریعہ ترقی کر جائیں گے غلطی ہے اِس صورت میں ہم اپنے جھوٹا ہونے کی دلیل دیں گے۔ کسی کے دعویٰ کے جھوٹا ہونے کی دلیل تو اُس کا مخالف دیتا ہے۔ وہ خود ایسا مواد فراہم نہیں کرتا جس سے وہ جھوٹا ثابت ہو۔ لیکن ہمارا یہ فعل یقیناً اِس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارا مخالف تو ہمیں جھوٹا کرنے کی کوشش میں ناکام رہا لیکن ہم نے اپنے جھوٹا ہونے کی خود اُسے دلیل مہیا کر دی۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر مأمورین کی جماعتیں مادیات کے ساتھ ترقی نہیں کیا کرتیں اور ہمارا یہ دعویٰ کہ ہم مادیات کے ساتھ ترقی کریں گے ہمارے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے تو پھر وہ کونسا ذریعہ ہے جس کو اختیار کر کے ہم ترقی کر سکتے ہیں جس کو اختیار کرنے کے بعد ہم بڑی سے بڑی قوموں کو بھی مغلوب کر سکتے ہیں؟ وہ ذریعہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرنا ہے اگر ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کر لیں گے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں مٹا نہیں سکتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض قومیں مٹ جاتی ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاتمہ ہو گیا لیکن وہ اپنے مٹ جانے کے بعد پھر ایسی ترقی کرتی ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم پر ایک وقت ایسا بھی آیا جب وہ بظاہر مٹ چکی تھی لیکن اپنے مٹ جانے کے بعد اُس نے کتنی عظیم الشان ترقی کی۔ قریباً تین سَو سال کے لمبے عرصہ کے بعد انہیں حکومتیں ملیں۔ اب ۱۹۴۹ء ہے۔ گویا سترہ سَو سال اِن پر ترقی کے زمانہ کے گزر چکے ہیں۔ بعض صوفیاء نے اس بات پر بحث کی ہے کہ عیسائیوں کی ترقی کا زمانہ زیادہ لمبا کیوں ہو گیا ہے۔ ایک بزرگ نے ایک لطیفہ لکھا ہے اگرچہ وہ ذوقی ہے اُنہوں نے لکھا ہے کہ لفظ ضَآلِّیْنَ پر جو مدّ اور شدّ ڈالی گئی ہے اِس کا مطلب ہے کہ عیسائیوں کو لمبی ترقی حاصل ہو گی چونکہ عیسائیوں کے لئے لمبی ترقی مقدر تھی اس لئے قرآن کریم میں عیسائیوں کیلئے لفظ (یعنی ضَآلِّیْن) استعمال کیا گیا ہے یہ تو ایک ذوقی بات ہے لیکن صاف ظاہر ہے کہ عیسائیوں کو لمبی ترقی محض اِس لئے ملی کہ ان پر ایک لمبے عرصہ تک مظالم ہوئے۔ لیکن ایک چیز ایسی ہے جس کا لمبا ہونا نہایت ہی خطرناک ہے اور وہ روحانیت کا فقدان ہے۔ روحانیت تو ایک دن میں آ جاتی ہے اس کے لئے زیادہ لمبا عرصہ درکار نہیں۔ عیسائیوں میں روحانیت ۲۷۰ سال کے بعد نہیں آئی تھی

یہ چیز اِن میں ابتدائی زمانہ میں پیدا ہوگئی تھی۔ کسی مأمور کی جماعت میں ایمان اور روحانیت میں مضبوطی اُس کے قریب قریب کے عرصہ میں ہی پائی جاتی ہے اور جتنا لمبا عرصہ گزرتا جاتا ہے یہ چیزیں کمزور ہوتی جاتی ہیں۔ ہماری جماعت کی ترقی کا زمانہ بھی یہی ہے اِس لئے تم اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ تم دو ہی چیزوں کے ساتھ کامیاب ہو سکتے ہو۔ اوّل محبت الٰہی کے ساتھ۔ محبت الٰہی کے لئے سامانوں کی ضرورت نہیں بلکہ ضروری ہے کہ تم اپنے اوپر دنیا وَمَافِیْھَا تاریک بنا اور اس سے جدا رہ کر اپنی زندگی بسر کرو۔ دوم وہ ذرائع ہیں جو قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں۔ مثلاً نمازیں ہیں، وظائف ہیں، ذکر الٰہی ہے، خدا تعالیٰ سے دعائیں کرنا ہے، اُس کے حضور گریہ وزاری کرنا اور اُس کے حضور عرض کرنا کہ وہ ہمارے افکار اور اعمال اور ذہنوں کی اصلاح کرے۔ یہی وہ ذرائع ہیں جن کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ کا قرب اور اُس کی محبت حاصل کر سکتے ہو۔ اس کے ساتھ ہی تم حتی المقدور قربانی میں ترقی کرنے کی کوشش کرو۔ تمہارا قدم ہر وقت آگے کی طرف پڑے پیچھے نہ ہٹے۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا اُس کا قدم پیچھے کی طرف آتا ہے۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ اگر تمہارا قدم آگے کی طرف نہیں بڑھے گا تو وہ پیچھے ہٹے گا۔ تم ایک حالت پر کبھی قائم نہیں رہ سکتے۔ یہ دنیا متحرک ہے اِس لئے تم یا آگے بڑھو گے یا پیچھے ہٹو گے ایک جگہ پر کھڑے نہیں رہ سکتے۔

ایک دفعہ لندن کی نمائش میں مَیں گیا وہاں ایک چکر بنا ہوا تھا جو چلتا رہتا تھا۔ نمائش والوں نے اعلان کیا ہوا تھا کہ جو شخص اِس چکر کے سنٹر کو ہاتھ لگا دے اُسے انعام دیا جائے گا۔ یہ اُسی وقت ہوسکتا تھا جب انسان کچھ دیر ٹھہرے۔ میرے ایک ساتھی نے ایسا کرنے کی کوشش کی مگر جب بھی وہ ایسا کرنے کی کوشش کرتا چکر اُس کو دھکا دے کر پیچھے پھینک دیتا تھا۔ اِس دنیا کی مثال بھی اس چکر کی سی ہے۔ کوئی شخص ایک جگہ پر ٹک نہیں سکتا۔ ہم یا آگے بڑھیں گے یا پیچھے ہٹیں گے۔ یہ دنیا ایک مقام پر ٹھہرنے کا مقام نہیں۔ نہ تم دُنیوی لحاظ سے ایک جگہ پر ٹھہر سکتے ہو نہ روحانی لحاظ سے ایک جگہ پر ٹھہر سکتے ہو۔ دینی امور میں بھی اور مادی امور میں بھی یا تو تم ترقی کرو گے یا تم گرو گے۔ یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو قربِ الٰہی میں سب سے بڑا مقام حاصل تھا آپ کو خدا تعالیٰ نے یہ کہا کہ ہمیشہ یہ دعا کرتے رہیں کہ رَبِّ زِدْنِیْ

عِلْمًا[۵] اسی طرح آپ ہمیشہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[۶] کی بھی دعا کرتے رہے۔ گویا صرف ہم ہی نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! تو میرے علم کو زیادہ کر اور مجھے صراط مستقیم دکھا۔ ایک عام شخص تو کہہ سکتا ہے کہ اے اللہ! تو مجھے صراط مستقیم دکھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو کوئی کمزوری نہیں پائی جاتی کہ آپ خدا تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اے خدا تو مجھے سیدھا رستہ دکھا۔ اِس کے یہی معنی تھے کہ سیدھے رستے غیر محدود ہیں۔ جس مقامِ عظیم پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فائز تھے اُس کے علاوہ اَور رستے بھی تھے۔ اِس لئے آپ کہتے تھے رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی اتنی عظیم الشان ہے کہ گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر تیرہ سَو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے لیکن آپ اب بھی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا مانگ رہے ہونگے۔ اور آپ کے مدارج اب بھی بڑھ رہے ہونگے کیونکہ خدا تعالیٰ کی حد بندی نہیں ہوسکتی۔ انسان کتنا بھی بڑا ہو وہ بہرحال محدود ہے۔ وہ باوجود بلند مدارج حاصل کرنے کے دعا مانگتا چلا جاتا ہے تا حرکت کا سلسلہ بند نہ ہو بلکہ جاری رہے۔ اگر روحانی ترقی کے رستے محدود ہوتے تو اس کے یہ معنی ہوتے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب روحانی ترقی بند ہوجائے گی اور ایک مقام ایسا آئے گا جہاں پہنچ کر ترقی کے رستے مسدود ہوجائیں گے حالانکہ یہ غلط ہے۔

پس یہ قانونِ قدرت ہے کہ اگر کسی وقت ترقی نہ ہو تو تنزل شروع ہو جاتا ہے۔ پس ہمیں ہمیشہ اپنے اعمال پر غور کرتے رہنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارا ہر دن پہلے دن کی نسبت زیادہ ترقی والا ہو۔ ہمارا قدم پہلے کی نسبت آگے ہونا چاہئے۔ ہماری عبادت اور ذکرِ الٰہی میں کوئی نہ کوئی ترقی ہونی چاہئے۔ خدا تعالیٰ سے ہمارا تعلق پہلے کی نسبت زیادہ ہونا چاہئے۔ اگر کوئی انسان اس رنگ میں رنگین ہوجائے تو وہ ایسا برکت والا ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بن جاتا ہے اُسے کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ لیکن ضروری ہے کہ عبادتوں اور ذکرِ الٰہی کے علاوہ انسان ظاہری طور پر بھی محنت کرے تا وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کا جاذب بن سکے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاؤں کے ساتھ ظاہری تدابیر بھی اختیار کرتے تھے یہاں تک کہ آپ صحابہؓ سے مصنوعی جنگیں

کرواتے تھے، کشتیاں لڑواتے تھے، گتکے کی مشق کروایا کرتے تھے۔ بخاری میں آتا ہے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند حبشیوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے بُلایا اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا کیا تم تماشہ دیکھنا چاہتی ہو؟ بعض لوگ اِس حدیث کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ مسجدوں میں تماشہ کروانا جائز ہے۔ محدثین نے اِس حدیث کا ہیڈ نگ ہی اِس طرز کا باندھا ہے کہ اِس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ آیا مسجد میں تماشہ کروانا جائز ہے یا نہیں؟ لیکن اس تماشا سے مراد مداری یا بندر وغیرہ کا تماشا نہیں بلکہ فوجی کرتب ہیں، لڑائی کے ہنر ہیں اور ان کاموں کی مسجد میں مشق کروانا جائز ہے۔ بلکہ مسجدیں تو ان کاموں کے لئے نہایت عمدہ مقام ہیں لوگ وہاں نماز کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں اور وہ سب ان مشقوں سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ عام تماشا سے مراد وہ نظارہ ہوتا ہے جو دلچسپی کا موجب ہو لیکن اُس میں فائدہ کچھ نہ ہو مگر یہ کرتب دلچسپی کا موجب بھی ہیں اور مفید بھی ہیں۔ بہر حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کیا تم تماشا دیکھنا چاہتی ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں میں تماشا دیکھنا چاہتی ہوں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کندھا نیچا کر لیا اور میں ایڑیوں کے بَل کھڑی ہو گئی اور آپ کے کندھوں کے اوپر سے جھانکتی رہی۔ اُس وقت مسجد میں چند حبشی اپنے فوجی ہنر دکھا رہے تھے۔[۷] غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کی مشق کروایا کرتے تھے۔

جنگ بدر کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مورچوں پر کھڑا کر دیا تو آپ نے ایک طرف بیٹھ کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے خدا! آج مسلمانوں کو فتح دے۔ آپ نے اِس موقع پر اتنی دعائیں کیں کہ آپ کی سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا آپ کو یقین نہیں کہ دشمن کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا کرے گا؟ آپ نے فرمایا ابوبکر! خدا تعالیٰ کے ہم سے وعدے تو ہیں لیکن خدا تعالیٰ غنی بھی ہے[۸] ہمارا کام ہے کہ ہم دُنیوی سامان بھی جمع کریں اور اپنی کوتاہی کا بھی اقرار کریں تا وہ یہ بھی نہ کہے کہ ہم نے اُس کے پیدا کردہ سامانوں سے فائدہ نہیں اُٹھایا اور یہ بھی نہ کہے کہ ہم نے اپنے سامانوں پر بھروسہ کر لیا ہے۔

غرض ظاہری سامانوں سے فائدہ اُٹھانا دین کے خلاف نہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ ظاہری سامانوں اور تدابیر کو دین کے تابع رکھا جائے۔ خدا تعالیٰ کی محبت کو اتنا بڑھایا جائے کہ اسے ہمارے متعلق غیرت پیدا ہو جائے اور ساتھ ہی دنیاوی سامانوں کو بھی جمع کیا جائے تا یہ نہ سمجھا جائے کہ تم خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو۔

جب شام میں جنگ ہوئی اور وہاں طاعون پڑی حضرت عمرؓ وہاں خود تشریف لے گئے تا کہ لوگوں کے مشورہ سے فوج کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام کیا جا سکے۔ مگر جب بیماری کا حملہ تیز ہو گیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں آپ واپس مدینہ تشریف لے جائیں۔ جب آپ نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا أَفِرَارًا مِنْ قَدْرِ اللّٰهِ؟ کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے آپ بھاگتے ہیں؟ حضرت عمر نے فوراً جواب دیا۔ نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدْرِ اللّٰهِ اِلٰی قَدْرِ اللّٰه ہاں ہم خدا تعالیٰ کی ایک تقدیر سے اُس کی دوسری تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں۔[9] غرض دنیاوی سامانوں کو ترک کرنا جائز نہیں۔ ہاں دنیاوی سامانوں کو دین کے تابع رکھنا چاہئے۔

صحابہؓ کے متعلق آتا ہے کہ جن صحابہؓ کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا وہ سارا دن محنت کرتے تھے اور شام کو مٹھی بھر جَو جو وہ حاصل کرتے تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بطور چندہ پیش کر دیتے تھے۔ مشرکین مکہ اور منافق لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ یعنی مسلمان ملک کو فتح کرنے کے لئے جا رہے ہیں لیکن کیا یہ لوگ مٹھی بھر جَو کے ساتھ ملک کو فتح کریں گے؟[10] وہ مشرک اور منافق یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ مٹھی بھر جَو بڑی قیمتی چیز ہے۔ اُن مٹھی بھر جَو دینے والوں کا بھی جنگ لڑنے میں وہی حصہ تھا جو مالداروں کا تھا۔ مثلاً حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار چندہ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ساری جائیداد خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دی۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوبکرؓ کا چندہ بے شک زیادہ تھا مگر وہ غریب آدمی بھی قربانی میں ان لوگوں سے کسی طرح کم نہ تھا جس نے سارا دن محنت کر کے مٹھی بھر جَو کمائے اور پھر اُن کی روٹی پکا کر اپنے بچے کے منہ میں نہیں دی، اس مٹھی بھر جَو کی روٹی پکا کر اس نے اپنی بیوی کے منہ میں نہیں دی بلکہ اس نے وہ سارے دن کی کمائی مٹھی بھر جَو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔ وہ مٹھی بھر جَو مالداروں کے چندوں سے کسی صورت میں بھی کم نہیں تھے کیونکہ خدا تعالیٰ کے

قائم کردہ سلسلہ کی بنیاد مادیات پر نہیں ہوتی۔

پس میں جماعت کے دوستوں کو نصیحت کروں گا کہ وہ اپنے اندر محبت الٰہی پیدا کریں۔ اس طرح کہ خدا تعالیٰ کو ان کے متعلق غیرت پیدا ہو جائے۔ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت میں ترقی کریں۔ خشیت الٰہی میں ترقی کریں، تہجد پڑھنے کی عادت ڈالیں اور اس بارہ میں ایک دوسرے کی نگرانی کریں، نمازوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی عادت ڈالیں اور ان کا خدا تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق ہے اُسے مضبوط بنائیں۔ یہ خیال کر لینا کہ وہ ان چیزوں کے بغیر ہی جیت جائیں گے غلط ہے۔ جیتنا تو خدا تعالیٰ نے ہے اور جب تک خدا تمہارے اندر نہیں آ جاتا تم غالب نہیں آ سکتے اور اگر خدا تمہارے اندر آ جاتا ہے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور اگر وہ تمہارے اندر نہیں آتا تو تم غالب نہیں آ سکتے کیونکہ غلبہ خدا تعالیٰ کے لئے مقدر ہے۔

دوسری بات جس کی طرف میں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب میں پچھلی دفعہ راولپنڈی آیا تو یہاں لجنہ اماء اللہ قائم نہیں تھی اور اگر قائم تھی تو وہ مردہ حالت میں تھی۔ اب مجھے بتایا گیا ہے کہ عورتوں میں بیداری پائی جاتی ہے۔ یہ بھی مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورتوں کو لجنہ اماء اللہ میں شامل کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گھر کی ذمہ داری مردوں پر ہے اگر مرد اِس ذمہ داری کو ادا نہیں کرتے تو قیامت کے دن اِس کے متعلق ان سے سوال کیا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں۔ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ [اا] تم میں سے ہر ایک اپنے گھر کا نگران ہے اور اُس کے گھر میں جو افراد رہتے ہیں اُن کے متعلق اُس سے قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ قیامت کے دن ایک عورت سے بھی یہ سوال کیا جائے گا کہ اُس نے دین کی خاطر کیا کیا قربانیاں کیں۔ اور مرد سے بھی یہ سوال کیا جائے گا کہ اُس نے اس سے کیا کیا قربانیاں کروائیں۔ ایک بیٹے کے متعلق ماں سے بھی سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنے بیٹے سے کیا کیا قربانیاں کروائیں مگر ساتھ ہی باپ سے بھی یہ سوال کیا جائے گا کہ اس نے اس بارہ میں کیا کچھ کیا کیونکہ بچوں کی ذمہ داری جیسے عورتوں پر ہے ویسے ہی ان کی ذمہ داری باپوں پر ہے۔ پس میں جماعت کے مردوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی عورتوں کو لجنہ اماء اللہ میں شامل کریں اور ان کی اور اپنے بچوں کی اچھی طرح نگرانی کریں

اور اس میں کسی قسم کی غفلت نہ کریں۔قومی زندگی کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

اسلام ایک قومی مذہب ہے باقی مذاہب میں سے کوئی مذہب قومی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہمارے تمام کاموں میں جتھہ بندی اور جمعیت پائی جاتی ہے۔مثلاً نماز ہے۔ باقی کسی مذہب میں ایسی نماز نہیں پائی جاتی۔ یہ نماز صرف اسلام میں ہی پائی جاتی ہے۔کوئی کہہ سکتا ہے کہ گرجاؤں میں بھی لوگ جمع ہوتے ہیں اور اجتماعی طور پر دعا کرتے ہیں مگر وہ نماز بھی اسلامی نمازوں کی طرح نہیں۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ گرجاؤں میں جب پادری وعظ کر رہا ہوتا ہے تو لوگوں میں سے بعض اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔کسی کا منہ کسی طرف ہوتا ہے اور کسی کا منہ کسی طرف۔کوئی کرسی پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے تو کوئی بنچ پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔اس نماز کا اسلامی نماز کے ساتھ کوئی جوڑ ہی نہیں۔ جماعت کے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ سب مل کر ایک کام کریں اور ایک ہی جگہ کام کریں اور یہ بات عیسائیوں کی نماز میں نہیں پائی جاتی۔مثلاً ایک پادری اگر تقریر کر رہا ہوتا ہے تو اُس کا ایک نائب ہاتھ میں شمع لئے کھڑا ہوتا ہے۔کسی کے ہاتھ میں پانی ہوتا ہے۔کوئی خوشبو لئے کھڑا ہوتا ہے۔کیا ہماری نماز میں بھی ایسا ہوتا ہے؟ ہماری نماز میں تو سارے کے سارے ایک ہی کام میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔اسی طرح چندے ہیں، زکوٰۃ ہے اس میں بھی کوئی دوسری قوم اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہودیوں میں یہ بات پائی جاتی ہے مگر وہ بھی اِس رنگ میں نہیں جس رنگ میں اسلام نے اِسے پیش کیا ہے۔اسلام نے اِن چیزوں کو ایسی شرائط کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے کہ اِن کی مثال دوسرے مذہب میں نہیں مل سکتی۔ پھر حج ہے۔سال میں ایک دن حج ہوتا ہے۔سب ممالک سے لوگ آ کر جمع ہوتے ہیں۔ایک ہی دن خانہ کعبہ کا طواف کرنا ہوتا ہے۔ایک ہی دن عرفات جانا ہوتا ہے۔منیٰ جانا ہوتا ہے اور پھر یہ بتایا جاتا ہے کہ فلاں فلاں دن قربانی کی جائے۔ یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتیں۔غرض اسلام ایک جماعتی مذہب ہے اور مسلمانوں کے لئے ترقی کرنا ناممکن ہے جب تک وہ جماعتی طور پر اس کے لئے کوشش نہ کریں اور جب تک وہ متحدہ طور پر اِس کام کو نہیں کرتے وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

پس میں جماعت کے مردوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جو عورتیں لجنہ اماء اللہ میں شامل نہیں ہیں

وہ انہیں لجنہ اماء اللہ میں شامل کرائیں اور اُنہیں اجلاسوں میں بھیجا کریں۔ وہ یاد رکھیں کہ قیامت کے دن کوئی شخص یہ کہہ کر بریت حاصل نہیں کرسکتا کہ وہ خود نمازیں پڑھتا تھا، وہ خود چندہ دیتا تھا، وہ خود جماعتی کاموں میں حصہ لیتا تھا بلکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ اُس سے اُس کی بیوی کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔ اگر اُس کی بیوی جماعتی کاموں میں حصہ نہیں لیتی تو یہ بات اُسے مجرم بنانے کے لئے کافی ہے۔

پھر اپنے بچوں کو خدام الاحمدیہ میں داخل کرو، ان کی تربیت کرو۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ بچوں کی تربیت کے ذمہ وار باپ ہیں اور اِس میں اُس نے عورتوں کو بھی شامل کیا ہے۔ ایک عورت یہ کہہ کر اپنی بریت نہیں کرسکتی کہ وہ لجنہ اماء اللہ کی ممبر ہے۔ مشترکہ کاموں میں حصہ لیتی ہے، چندے دیتی ہے، تبلیغ کرتی ہے، نمازیں پڑھتی ہے، زکوٰۃ دیتی ہے۔ بے شک یہ سب کچھ وہ کرتی ہے لیکن قیامت کے دن اس سے یہ بھی سوال کیا جائے گا کہ کیا اس نے اپنی اولاد کو بھی دیندار بنایا ہے؟ کیا انہیں سلسلہ کے کاموں میں حصہ لینے کی عادت ڈالی ہے؟ اگر نہیں تو خدا تعالیٰ اُس سے کہے گا کہ تم مجرم ہو۔ میں نے تمہیں صرف یہ نہیں کہا تھا کہ تم یہ کام کرو بلکہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم یہ کام اپنی اولاد سے بھی کراؤ۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم سچ بولو بلکہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم اپنی اولاد کو بھی سچ بولنے کی عادت ڈالو۔ میں نے صرف یہ نہیں کہا تھا کہ تم خود نمازیں پڑھو اور روزے رکھو بلکہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تمہارا کوئی بیٹا ہے یا بیٹی ہے تو اُسے بھی اِن کاموں کی عادت ڈالو۔ میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ تم خود جماعتی کاموں میں حصہ لو بلکہ میں نے تم سے یہ بھی مطالبہ کیا تھا کہ اپنی اولاد کو بھی جماعتی کاموں میں حصہ لینے کی عادت ڈالو۔ اِسی طرح مرد سے بھی یہ سوال کیا جائے گا۔ غرض یہ چیز کافی نہیں کہ تم خود اِخلاص دکھاؤ بلکہ ضروری ہے کہ تم اپنی اولاد میں بھی اخلاص کا مادہ پیدا کرو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تمہاری اپنی قربانی کافی نہیں ہوسکتی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا نہ کرنے سے تم جہنمی بن جاؤ گے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ایسا نہ کرنے سے تمہارے ثواب کا ایک حصہ ضرور کٹ جائے گا۔ جماعت کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ وہ سلسلہ قیامت تک چلا جائے گا۔ فرد مرتا ہے لیکن جماعتیں نہیں مرتیں۔ چنانچہ ہارون الرشید کے زمانہ میں ابن جنی کے ایک شاگرد ہوا کرتے تھے۔ ہارون الرشید نے

اُس سے کہا۔ مَا مَاتَ مَنْ خَلَفَ مِثْلَکَ جس نے تیرے جیسا شاگرد اپنے پیچھے چھوڑا ہے وہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا۔

غرض جماعت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ دائمی زندگی اختیار کرے۔ اگر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ ہوتا تو آپ کی وفات کے ساتھ یہ بھی ختم ہو جاتا لیکن اسلام کے متعلق خدا تعالیٰ نے کہا ہے کہ وہ قیامت تک چلا جائے گا۔ تو ضروری ہے کہ ہر مسلمان اپنے بیٹے کو مسلمان بنا کر جائے۔ اگر ہر مسلمان اپنے بیٹے کو مسلمان بنا کر نہیں جاتا تو اسلام قیامت تک چلے گا کس طرح؟ ہم کہتے ہیں کہ احمدیت اسلام ہی کا نام ہے۔ اگر احمدیت اسلام ہی کا نام ہے اور اسلام نے قیامت تک جانا ہے تو ضروری ہے کہ ہم اپنی اولاد کو مخلص احمدی بنا کر جائیں۔ اگر ہم اپنی اولاد کو مخلص احمدی بنا کر نہیں جاتے تو احمدیت ختم ہو جائے گی۔ پس یہ کافی نہیں کہ تم صرف اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرو بلکہ ضروری ہے کہ جہاں تم خود اعمالِ دینیہ کی طرف توجہ کرتے ہو، نمازیں پڑھتے ہو، چندے دیتے ہو، زکوٰۃ دیتے ہو، روزے رکھتے ہو، غرباء کی مدد کرتے ہو وہاں تم اپنی اولادوں کی بھی اصلاح کرو۔ اگر تم اپنی اولاد کے اندر دینی جذبہ پیدا نہیں کرتے اور مخلص احمدی بنا کر نہیں جاتے تو تمہاری زندگی یقیناً فردی زندگی ہے تمہاری زندگی جماعتی زندگی نہیں۔ اور اگر کسی اور کی نسل کے ذریعہ اسلام کا کام چلتا رہا تو اسلام کی زندگی میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اسلام اگر دائمی طور پر زندہ رہے گا تو اِسی طرح کہ تم اپنی اولادوں کو دیندار بناؤ۔ مثلاً اگر اب ج پکا مسلمان ہے تو جب تک وہ خود مسلمان ہیں اِن کے ذریعہ بیشک اسلام زندہ رہے گا لیکن دائمی زندگی کے لئے اِن کی اولادوں کا پکا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اگر الف کی اولاد پکی مسلمان نہیں ہے۔ ب کی اولاد مسلمان ہے۔ ج کی اولاد مسلمان ہے تو اگر اسلام زندہ ہے تو ب اور ج کی اولاد سے الف کی اولاد کی وجہ سے نہیں۔ اگر ب کی اولاد پکی مسلمان نہیں ج کی اولاد مسلمان ہے تو پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الف نے زندہ نہیں رکھا۔ ب کی اولاد نے زندہ نہیں رکھا بلکہ آپ کو زندہ رکھا تو ج کی اولاد نے رکھا ہے۔ پس یہ کتنی عظیم الشان نعمت ہے جسے ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم اپنے بیٹے کو مسلمان بنا کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳۰ یا ۴۰ سال کی اَور زندگی دے دیتے ہیں۔ اِس سے زیادہ اور کیا رُتبہ ہوگا کہ وہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ۳۰ یا ۴۰ سال کا اضافہ کر دے۔ لیکن جو شخص اپنی اولاد کی اصلاح نہیں کرتا، اُسے پکا مسلمان نہیں بناتا، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو کم کر دیتا ہے اور یہ کتنی بڑی بدبختی ہے۔ پس تم نہ صرف اپنے اندر ایک نیک تغیر پیدا کرو بلکہ اپنی اولاد کے اندر بھی دینی جذبہ پیدا کرو۔ جب نماز کے لئے جاؤ تو بچوں کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ اگر وہ چھوٹے ہیں تو کم از کم تمہارے ساتھ نماز پڑھتے وقت خاموش تو رہیں تمہاری نماز کو خراب تو نہ کریں۔ جیسے کل بچوں نے شور مچا کر نماز کو خراب کر دیا تھا۔

بچوں کی تربیت ہونی چاہئے۔ اگر بچہ چار پانچ سال کا ہے تو اس کے اندر دینی کاموں میں حصہ لینے کی عادت پیدا کرو اور سات سال کے بچے کو تو باقاعدہ نماز پڑھانی چاہئے اور دس سال کی عمر میں اسے نماز میں ایسا باقاعدہ ہونا چاہئے کہ اگر وہ نماز نہ پڑھے تو ایک حد تک اُسے مار پیٹ بھی جائز ہے۔ بہرحال جب بچہ چھ سات سال کا ہو جائے اُسے نماز پڑھانی چاہئے اور دینی کاموں میں حصہ لینے کی عادت ڈالنی چاہئے اگر اُسے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تو نہ آئے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کے دائیں کان میں اذان دو اور اس کے بائیں کان میں تکبیر کہو۔[۱۲] تو کیا وہ تمہاری اذان اور تکبیر کو سمجھتا ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے یہی سبق دیا ہے کہ تم بچے کی تربیت اُس کے پیدائش کے وقت سے ہی شروع کر دو۔ جب آپ بچے کی پیدائش کے وقت سے اُس کی تربیت کا حکم صادر فرماتے ہیں تو چھ سات سال کی عمر والا کچھ کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ جب بچہ چھ سات سال کا ہو جائے تو اُسے نمازوں میں ساتھ لاؤ۔ اُسے آیاتِ قرآنیہ یاد کراؤ۔ اچھی اچھی نظمیں یاد کراؤ۔ جب آٹھ سال کا ہو جائے تو اُس کی اِس طرح تربیت کرو کہ وہ دینی کاموں پر آمادہ ہو جائے۔ اِسی طرح ماؤں کا بھی فرض ہے کہ اگر باپ سارا دن دفتر میں رہتا ہے یا کہیں باہر گیا ہوا ہے تو اُس کی غیر حاضری میں عورت کا فرض ہے کہ وہ بچے کو نمازیں پڑھائے۔ جب وہ نماز پڑھنے لگے تو بچے کو بھی ساتھ کھڑا کرے یا اُسے اپنی نگرانی میں نمازیں پڑھوائے۔ کیونکہ بعض اوقات شرعی طور پر اسے نماز پڑھنا جائز نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ خود نماز نہیں پڑھتی تو بچے کو تو اپنی نگرانی میں نماز پڑھوا سکتی ہے۔ نماز کا جب وقت آئے اُسے چاہئے کہ بچے کو کھڑا کر کے نماز

پڑھوائے اور پھر جب مرد گھر آجائے تو وہ یہ کام کرے۔ گویا جب مرد گھر پر ہو تو یہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو دینی کاموں کی عادت ڈالے اور اگر مرد گھر نہیں ہے تو عورت اپنے بچوں سے دینی کام کروائے۔

غرض آپ لوگ اپنی اولاد کی اِس رنگ میں تربیت کریں اور اپنے اندر ایسا تغیر پیدا کریں کہ تمہاری شکلوں کو دیکھ کر ہر شخص یہ سمجھ سکے کہ اِس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے احیاءِ دین کا ذریعہ جماعت احمدیہ کو بنایا ہے اور خدا تعالیٰ سے ایسی محبت پیدا کرو کہ اسے تمہارے متعلق غیرت ہو اور وہ محسوس کرے کہ اگر یہ لوگ مَر گئے تو میں مَرا۔ خدا تعالیٰ **حی و قیوم** ہے اُس پر موت وارد نہیں ہوتی لیکن اِس دنیا میں اگر اُس کا ذکر مٹ جائے تو گویا وہ اِس دنیا کے لئے مَر گیا۔ ایک بزرگ جو سید احمد صاحب بریلوی کے شاگردوں میں سے تھے اور بھوپال میں رہتے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے استاد تھے اُنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو اپنی ایک خواب سنائی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں بھوپال سے باہر گیا ہوا ہوں۔ شہر کے باہر پُل پر میں نے ایک آدمی دیکھا جو کوڑھی تھا اور اندھا تھا۔ اُس کے زخموں سے بدبو آتی تھی اور اُن پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ اُس کے ہونٹ، ناک اور کان کٹے ہوئے تھے۔ غرض اُس کے جسم کا ہر ذرّہ بھیانک تھا۔ میں نے اُس شخص سے پوچھا تم کون ہو؟ یا اُس نے کہا میں خدا تعالیٰ ہوں۔ میری حالت متغیر ہوگئی اور میں یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ شخص خدا تعالیٰ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نے اُس شخص سے کہا کہ قرآن کریم تو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے زیادہ خوبصورت اور کوئی چیز نہیں۔ اس پر اُس نے کہا میں بھوپال کے رہنے والوں کا خدا ہوں یعنی بھوپال والوں نے میری یہ شکل بنا رکھی ہے۔ پس گو موت ایسی چیز ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات میں نہیں پائی جاتی مگر بعض بندوں کے ذریعہ خدا تعالیٰ اِس دنیا میں زندہ ہے اور بعض بندوں کے ذریعہ وہ اِس دنیا میں مُردہ ہے۔ اگر اُس کا ذکر اس دنیا سے مٹ جائے تو وہ اِس دنیا کے لئے گویا مَر گیا اور اگر اُس کا ذکر اِس دنیا میں نہ مٹے تو وہ گویا اِس دنیا کے لئے زندہ ہو گیا۔ اِسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ظاہری طور پر وفات پا گئے ہیں لیکن آپ ایمان لانے والوں کے ذریعہ اِس دنیا میں زندہ ہو سکتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کے دلوں میں ایمان ہے تو وہ زندہ ہیں اور اگر ایمان مٹ چکا ہے تو

آپ زندہ نہیں۔ غرض خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور موت تمہارے ہاتھوں میں ہے اگر تم چاہو تو خدا تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِس دنیا میں زندہ رہ سکتے ہیں اور اگر تم غفلت اور سستی سے کام لوگے تو خدا تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کے لئے مَر جائیں گے۔ خدا تعالیٰ ظاہری طور پر کبھی مَر نہیں سکتا مگر روحانی طور پر تم اُسے زندہ بھی رکھ سکتے ہو اور مار بھی سکتے ہو۔

جنگ بدر میں جب لڑائی خطرناک صورت اختیار کر گئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی گھبراہٹ سے دعائیں کرتے تھے کہ اے خدا! اگر یہ جماعت جو چھوٹی سی ہے ہلاک ہو گئی تو لَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا! تیری عبادت کرنے والا کوئی شخص دنیا میں نہیں رہے گا۔ اِس دعا کی برکت سے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو محفوظ رکھا کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ وہ جماعت جو خدا تعالیٰ کو اِس دنیا میں زندہ رکھنے والی ہو اُس کو خدا تعالیٰ کبھی مرنے نہیں دیتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مطلب تھا کہ اے خدا! تیری زندگی اِس چھوٹی سی جماعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر یہ جماعت مٹ گئی تو تیرا ذکر بھی اس دنیا سے مٹ جائے گا۔ اے خدا! تو اس جماعت کو مرنے نہ دے اور اِسے ہلاکت سے بچالے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ خدا تعالیٰ حی و قیوم ہے۔ ظاہری طور پر اُس پر موت وارد نہیں ہوتی لیکن روحانی طور پر وہ اِس دنیا میں جس شخص کے ذریعہ زندہ ہو اُس کو بھی وہ زندہ رکھتا ہے۔ اِسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ شعر کہا ہے کہ

سر سے میرے پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں
اے میرے بدخواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

یعنی اے میرے دشمن! ذرا ہوش کر کے مجھ پر وار کیجیئو کیونکہ مجھ میں خدا تعالیٰ بیٹھا ہوا ہے۔ اور جس شخص کے اندر خدا تعالیٰ بیٹھا ہو اُس پر کوئی شخص حملہ کر کے محفوظ نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ دراصل خدا تعالیٰ پر حملہ کرتا ہے اور اُس کی ضرب خدا تعالیٰ پر پڑتی ہے۔ پس جب کوئی شخص خدا تعالیٰ کو اپنے اندر بٹھا لیتا ہے تو خدا تعالیٰ اُسے بھی تباہ نہیں ہونے دیتا کیونکہ اُس کی موت سے خدا تعالیٰ کی موت وابستہ ہوتی ہے۔

میرے گلے میں درد ہو رہا ہے جس کی وجہ سے میں زیادہ دیر تک بول نہیں سکتا امید ہے کہ جماعت احمدیہ راولپنڈی اِن باتوں کو جو میں نے کہی ہیں کافی سمجھے گی اور اپنی اصلاح کی کوشش کرے گی۔ اب یہ جماعت اہم جماعتوں میں سے ہے اور اِس پر پہلے سے زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ جماعت کے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی تعداد بڑھائیں اور اچھا نمونہ دکھائیں۔ احمدیت کی تقویت اور اِس کی زیادتی کے لئے کوشش کریں۔ مستورات بھی اور مرد بھی اِس طرف توجہ کریں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو اِس بات کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی نعمتوں میں حصہ لینے کی توفیق بخشے تا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کے ذریعہ ایک لمبے عرصہ تک اِس دنیا میں زندہ رہیں۔

(الفضل ۱۳، ۱۹ ستمبر ۱۹۶۲ء)

---

۱ البقرۃ: ۲۵۰

۲ تاریخ کامل ابن اثیر جلد۲ صفحہ ۲۵۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۳ السیرۃ الحلبیۃ جلد۲ صفحہ ۳۸۔ مطبوعہ بیروت ۱۳۲۰ھ (مفہوماً)

۴ التوبۃ: ۴۰ ۵ طٰهٰ: ۱۱۵ ۶ الفاتحہ: ۶

۷ بخاری کتاب العیدین باب الحراب والدرق یوم العید

۸ سیرت ابن ھشام جلد۲ صفحہ ۲۷۹۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۹ مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ والکھانۃ و نحوھا

۱۰ بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ (الخ)

۱۱ بخاری کتاب النکاح باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا

۱۲ کنز العمال جلد۱۶ صفحہ ۵۹۹ مطبوعہ حلب ۱۹۷۷ء (مفہوماً)